مرکز کتب بینی

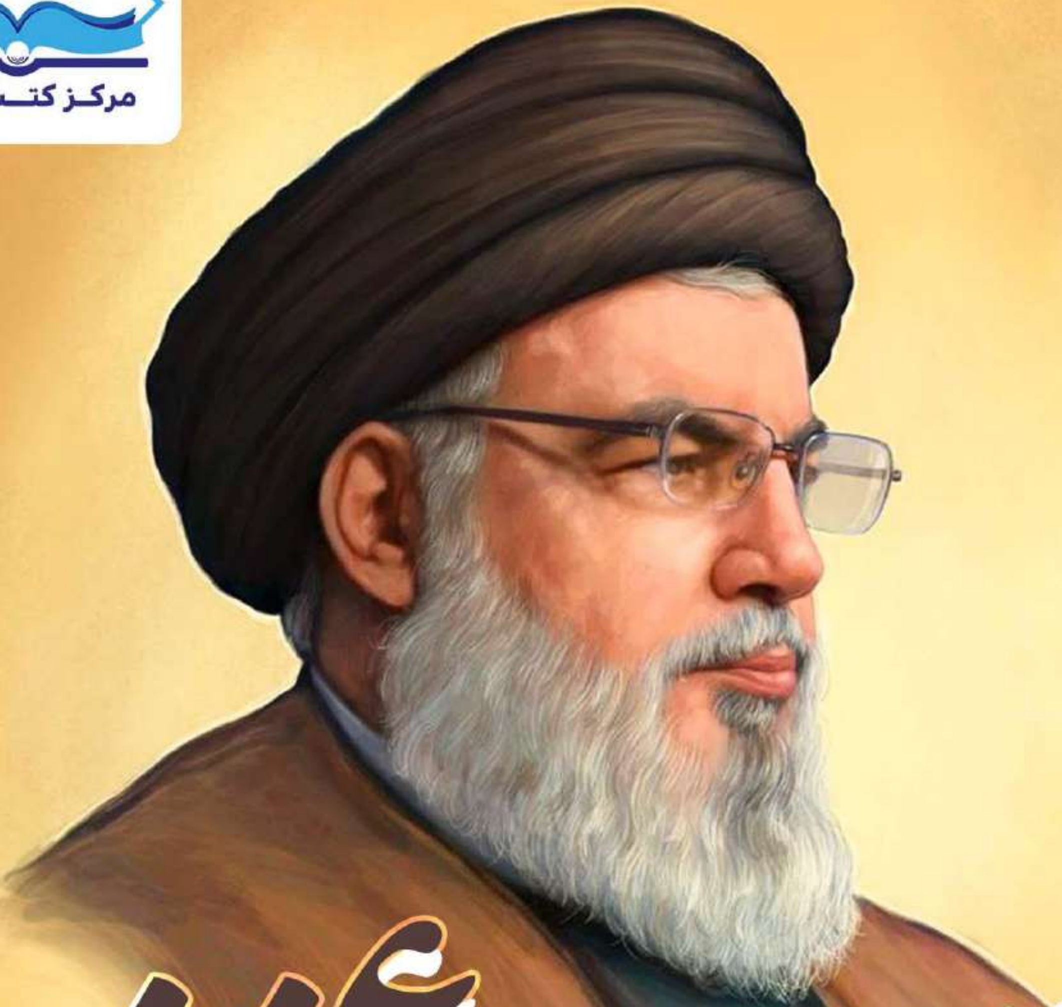

سید عزیز

تالیف: حمید داؤد آبادی

ترجمہ: فضل عباس

منجانب: مرکز کتب بینی

سید عزیز

تالیف: حمید داؤد آبادی

ترجمہ: فضل عباس

1

تعارف

مرکز کتاب بینی

دعائے مطالعہ

اللّٰهُمَّ أَخْرِجْنِي مِنْ ظُلُماتِ الْوَهْمِ

اے معبود تو مجھ کو وہم کی تاریکیوں سے نکال

وَأَكْرِمْنِي بِنُورِ الْفَهْمِ

اور عقل و فہم کے نور سے مجھے شرف عطا فرما

اللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنا أَبْوابَ رَحْمَتِكَ

اے معبود تو ہمارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے

وَانْشُرْ عَلَيْنا خَزائِنَ عُلُومِكَ

اور اپنے علوم کے خزانے ہم پر نچھاور کردے

بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

اپنی رحمت کے ساتھ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے

میرا خاندان:

میں سید حسن نصر اللہ، والد کا نام سید عبد الکریم اور والدہ کا نام مہدیہ صفی الدین، ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۰ کو بیروت کے مشرقی حصہ کے ایک محلہ میں پیدا ہوا۔ بنیادی طور پر ہمارے خاندان کا تعلق لبنان کے جنوب میں واقع شہر صور کے ایک گاؤں بازوریہ سے ہے۔

ہماری پانچ بہنیں اور چار بھائی ہیں۔ عمر کے لحاظ سے ہم سب میں ایک سال کا فرق ہے۔ میں اپنے گھر میں سب سے بڑا، میرے بعد حسین پھر بالترتیب زینب، فاطمہ، محمد، جعفر، ذکیہ، امینہ اور سعاد ہیں۔

ہمارا تعلق ایک غریب اور مستضعف خاندان سے تھا جس نے دوسرے خاندانوں کی طرح نوکری اور روٹی کی تلاش میں لبنان کے جنوب سے بیروت کی طرف ہجرت کی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے بیروت کے اسی مشرقی علاقہ میں [النجاح یا الکفاح] نامی پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دوسرے سکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی اور اس مرحلہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ۱۹۷۴ اور ۱۹۷۵[1] میں لبنان میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے۔ خانہ

---

[1] خانہ جنگی کا ایک سلسلہ جو بیرونی طاقتوں کی دخل اندازی سے شروع ہوا اور لبنان میں ۱۹۷۵ سے ۱۹۹۰ تک جاری رہا۔ اپریل ۱۹۷۵ میں حزب آزادی بخش فلسطین کے چند مسلح ارکان نے بیروت کے مشرق میں واقع ایک کلیسا پر فائرنگ کی تا کہ حزب Falange کے بانی پیر جمیل کو دہشت گردی کا نشانہ بنا سکیں لیکن وہ اس قاتلانہ حملہ میں بچ گیا۔ اس واقعہ کے رد عمل کی وجہ سے لبنان میں پندرہ سالہ خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس خانہ جنگی میں حزب Falange نے دوسری قومیت پسند تنظیموں کے ساتھ مل کر حزب آزادی بخش فلسطین اور حزب ملی لبنان کے ساتھ جنگ کی۔ حزب Falange اسرائیل کی اسٹراٹیجک اتحادی شمار ہوتی ہے۔

جنگی کے شروع ہوتے ہی سکول بند ہو گئے۔ بیروت کا مشرقی علاقہ جس میں مسلمان اور شیعہ سکونت پذیر تھے وہ لبنانی فورسز اور حزب کتائب[2] کے ہاتھوں سقوط کر گیا۔ ہم نے مجبور ہو کر اس علاقہ کو چھوڑا اور اپنے گاؤں بازوریہ پلٹ گئے۔ ہم وہاں پر تقریبا ڈیڑھ سال تک رہے اور اسی عرصہ میں میٹرک کی تعلیم کا آغاز کیا۔

میں کلاس میں ہمیشہ پوزیشن لیتا تھا، خاص طور پر ریاضی، کیمسٹری، الجبرا اور ہندسہ کے مضامین میں قابل تھا۔ اب مجھے یاد نہیں کہ نمبر کتنے ہوا کرتے تھے لیکن کلاس میں ہمیشہ پہلی، دوسری یا تیسری پوزیشن لیتا تھا۔

ہمارے والد گرامی اب بیروت کے اندر [کمیتہ امداد امام خمینی[3]] میں صدقات کے امور کے مسئول ہیں۔ وہ اس وقت بہت زیادہ غریب تھے۔ ان کی چھوٹی سی سبزی کی ایک دکان تھی جس میں ہم ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ہم ظہر تک سکول میں ہوتے تھے اور جب واپس پلٹتے تو دکان پر والد کی مدد کرتے، یہاں تک کہ چھٹی والے دن بھی دکان پہ جا کے کام کرتے تھے۔

ہمیں عید اور دوسری تعطیلات کا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا ہوتی ہیں۔ میرے نجف جانے تک مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ لوگ کس لیے عید مناتے ہیں۔ لوگ عید اور تعطیلات کے

---

[2] ۔ ضمیمہ ۱۔

[3] امام خمینی کے نام پر یہ ایک امدادیہ کمیٹی ہے۔ جس کی بنیاد امام خمینی کے حکم پر ۵ مارچ ۱۹۷۹ میں رکھی گئی۔

دنوں میں سیر وسیاحت کے لیے سمندر کے کنارے جاتے تھے لیکن ہمیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ لوگ وہاں کس لیے جاتے ہیں اور ہم نہیں جاتے۔ فقرا اور تنگدست افراد کے نزدیک بھی سیر وسیاحت ایک عادی چیز تھی لیکن یہ بات ہمارے گھر میں رائج نہ تھی۔ یہ سب کچھ ہمارے فقر اور غربت کا نتیجہ تھا۔ ہمارے ہم عمر تمام بچے کھیلتے جبکہ میں اور میرا بھائی حسین دکان پر کام کرتے تھے۔ جب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا اور تھک جاتے تو دکان سے بھاگ جاتے، پھر ایک دو گھنٹے کے بعد پلٹ آتے۔ کبھی ہمارے والد ہمیں پکڑ کر لاتے اور ہمیں اچھی خاصی مار پڑتی تھی [مسکراہٹ کے ساتھ] اب بھی جب والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ ان دنوں کے واقعات اور مار کھانے کا ذکر ہوتا ہے تو ہم سب ہنستے ہیں۔

مجھے سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہوتا ہے کہ میرے نجف جانے تک کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں تھا جس میں ہم بہن بھائی اپنے والدین کے ساتھ ایک دستر خوان پہ جمع ہوئے ہوں اور مل کے کھانا کھایا ہو۔ ہمیشہ ہم بہن بھائی مل کے کھانا کھاتے اور والدین دکان پہ ہوتے یا والد اور والدہ میں سے کوئی ایک ہمارے ساتھ ہوتا تھا۔ کبھی بھی ہمارا پورا خاندان کھانے کے لیے دستر خوان پر جمع نہیں ہوا۔ ہمارے والد صبح کی نماز کے بعد دکان پہ جاتے اور رات بارہ بجے واپس آتے۔ کبھی دن کے وقت ہماری والدہ ان کی مدد کے لیے جاتیں تاکہ وہ کچھ آرام یا نماز پڑھ سکیں۔ یہ تلخ یادوں میں سے ہے جس سے ہم بچپن میں بھی رنجیدہ ہوتے تھے۔

جب ہم بیروت کے مشرقی علاقہ میں تھے تو ایک مسجد میں میرا آنا جانا تھا جس میں سید محمد حسین فضل اللہ [۴] نماز پڑھاتے تھے۔ جہاں پہ ہم سکونت پذیر تھے وہاں پہ کوئی بھی جوان دیندار نہیں تھا اس کے باوجود میں جوانوں کے ایک دیندار گروہ سے مربوط ہو گیا۔ مجھے بچپن

سے ہی دینداری اور عبادت کی توفیق حاصل تھی اور اس مسجد میں جاتا تھا جہاں نمازیوں کی بہت زیادہ تعداد ہوا کرتی تھی۔ مسجد میں سید فضل اللہ کی ہونے والی مجالس اور خطابات میں حاضر ہوتا تھا۔ میں اپنے محلہ میں اکیلا دیندار فرد تھا البتہ ہمارے گھر والے سب دیندار تھے لیکن ایک عادی اور سنتی صورت میں تھے۔ میں اس زمانے میں اپنی کمسنی کے باوجود فرہنگی اور اسلامی فعالیت میں شریک ہوتا تھا۔

سیاسی فعالیت کا آغاز:

بیروت کے مشرقی علاقہ سے جنوب لبنان کی طرف ہجرت کے بعد میں نے اپنے گاؤں میں جوانوں کو منظم کر کے اسلامی فعالیت کا آغاز کیا۔ اس وقت کیمونسٹ مکمل طور پہ ہمارے گاؤں پر مسلط تھے لیکن میں جوانوں کی ایک تعداد کو خواب غفلت سے بیدار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حزب امل [۵] کی بھی ہمارے گاؤں میں فعالیت تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سید موسیٰ صدر [۶]

---

[۴] ۔ ضمیمہ ۲۔

[۵] ۔ ضمیمہ ۳۔

[۶] ۔ ضمیمہ ۴۔

لبنان میں موجود تھے۔ حزب امل کی طرف منسوب اکثر افراد فرہنگی اور مذہبی نہیں تھے۔ اس وقت میری عمر پندرہ سال اور میں کالج کا سٹوڈنٹ تھا۔ حزب امل کے مسئولین نے مجھ سے تقاضا کیا کہ میں اپنے گاؤں میں اس کی مسئولیت قبول کروں اور میں نے قبول کرلی۔ میں

تقریبا ڈیڑھ سال تک اسی عہدہ پہ باقی رہا اور فعالیت کی۔ میری اسی عرصہ میں ڈاکٹر مصطفی چمران [7] سے آشنائی ہوئی اور آہستہ آہستہ ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات بن گئے۔ وہ جنوب کے علاقہ میں دیہاتوں کے مسئولین سے ہر ہفتے ملاقات کرتے، ان کو سمجھاتے اور سیاسی شعور دیتے تھے۔ ان کی اجرائی اور تنظیمی مشکلات سنتے اور انہیں حل کرنے میں ان کی راہنمائی کرتے۔ ہر ہفتے منعقد ہونے والی ان محفلوں کے بعد سب اپنے اپنے گاؤں کی طرف پلٹ جاتے۔

ہم اور خانہ جنگی:

ستر کی دہائی میں لبنان ایک شدید خانہ جنگی کا شکار ہو گیا۔ ہمارے خاندان میں سے کوئی ایک بھی اس جنگ میں شریک نہیں ہوا۔ ہماری عمریں کم تھیں اور ہم جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ ہمارے والد کا بھی اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کا تمام ہم و غم یہ تھا کہ کام کرکے ہمارا پیٹ بھر سکیں، ہم پڑھیں اور ایک اچھی زندگی گزار سکیں۔

---

[7] ۔ ضمیمہ ۵۔

خانہ جنگی کی وجہ سے ہم ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے۔ کئی مہینے پریشانی کی حالت میں گھر کے اندر ہی رہتے۔ بیروت کے مشرق میں ہمارا گھر فرنٹ لائن پہ اور فائرنگ کی زد میں تھا۔ اسی وجہ سے ہمارا گھر سے باہر آنا جانا مشکل تھا۔ کئی مہینے گھر میں گزارتے، باہر نہ آتے اور ریڈیو سے خبریں سنتے تھے۔ مجموعی طور پر ہمارے گھر والے اس خانہ جنگی میں حصہ لینے سے پرہیز کرتے تھے۔

البتہ یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس خانہ جنگی میں کوئی بھی اسلامی تحریک شامل نہیں تھی۔ اس میں صرف کیمونسٹ، قومیت پسند، بعثی اور فلسطینی گروہ شامل تھے اور ان سب کا تعلق بائیں بازو کی جماعتوں سے تھا۔ اس وقت حزب امل بہت کمزور تھی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حزب امل کا اسلامی تنظیمی ڈھانچہ نہیں تھا جو جنگ میں حصہ لے سکے۔ میں نے خانہ نشینی کی اس لمبی فرصت سے

فائدہ اٹھایا اور کافی ساری ک تابوں کا مطالعہ کیا۔ مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں سید عبد اللہ شبر کی تفسیر پہ میری خصوصی توجہ تھی۔

علمی لگاؤ:

میں بچپن سے ہی جب بعض مشائخ کی خدمت میں بیٹھتا تو کافی دیر ان کے عمامے کی طرف دیکھتا رہتا۔ خود عمامہ اور اس کے پیچ و خم کو غور سے دیکھتا۔ اس وقت عمامہ کپڑے کے ایک ٹکڑے کی صورت میں ہوتا تھا کہ جس پر سیاہ رنگ کی دستار لپٹی ہوتی تھی۔

میں اپنے والد کی دستار کو کپڑے کے ایک ٹکڑے پہ لپیٹتا اور عمامہ بنا کے اپنے سر پر

رکھ لیتا۔ جب میں چھوٹا تھا تو علم کے حصول اور علماء کے لباس کی طرف شدید رغبت رکھتا تھا۔ ہمارے خاندان میں کوئی فرد عالم دین نہیں تھا۔ صرف ہمارے خاندان میں نہیں بلکہ ہمارے والد کے اجداد میں سے تین چار نسلوں تک کوئی عالم دین نہیں تھا۔

لیکن ہماری والدہ کے چچا ایک سید عالم دین تھے۔ ان کی تصویر ہمارے گھر میں لگی ہوئی تھی۔ مجھے یہ بات بچپن سے پسند تھی کہ اسی سید کی طرح حوزہ علمیہ میں درس پڑھوں اور عالم دین بنوں۔ بچپن سے ہی حصول علم کے ساتھ عشق اور رغبت تھی۔ ہمشہ علم حاصل کرنے کی فکر میں ہوتا تھا۔ جب ہم گاؤں میں تھے جس کے تمام جوان کیمونسٹ تھے تو میں رات کو سوتے

وقت اس بات پہ غور کرتا کہ اپنے گاؤں کے جوانوں کو کیسے اسلام کا معتقد اور وہاں کے رہائشی افراد کو دیندار بناؤں۔ میں یہ بات سوچتا ت ھا کہ لبنان میں اسلامی حکومت کو کیسے وجود میں لائیں۔ جس فرد کی سوچ ایسی ہو تو یہ بات طبیعی ہے کہ اس کا ہدف علم کا حصول ہو گا۔

یہ الہی توفیقات میں سے تھا کہ دینی تربیت میرے طالب علم بننے کا باعث بنی۔ ہمارے گھر میں دینداری ایک عادی صورت میں تھی۔ ہمارے والدین نماز اور روزہ کے پابند تھے۔ احکام شرعی کے بارے میں ان کی شناخت اور معرفت بہت محدود تھی۔ جب میں ان دنوں کے بارے میں سوچتا ہوں تو خداوند متعال کا بہت شکر ادا کرتا ہوں۔ میں تقریباً یہ کہہ سکتا ہوں

کہ اس راہ پہ چلانے کے لیے کسی نے میری راہنمائی نہیں کی اور میرا ہاتھ نہیں پکڑا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ ہمارے گھر میں قرآن مجید رکھے ہوئے تھے، میں اٹھا کر تلاوت کرتا اگرچہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن جنت، دوزخ اور اس کا عذاب میرے ذہن پہ نقش ہو چکے تھے۔ ہمارے گھر میں دو کمرے تھے۔ ایک میں ہمارے والدین اور دوسرے میں ہم بہن بھائی سوتے تھے۔ میں جب رات کو سوتا تو خواب میں آگ اور جہنم کو دیکھتا نیز یہ کہ مجھے جہنم میں پھینک رہے ہیں۔ اس وقت ڈر اور گھبراہٹ کی وجہ سے میری آنکھ کھل جاتی اور بہت زیادہ ڈر جاتا۔ اس شدید ڈر کی وجہ سے والدین کے کمرے میں پناہ لیتا اور ان دونوں کے درمیان سو جاتا۔ یہ واقعہ ہر رات تکرار ہوتا۔ نیند میں آگ اور جہنم کے درمیان خود کو جلتا ہوا دیکھتا۔ وہ خواب اور معنوی حالات میرے آج کے زمانہ سے بہتر تھے۔

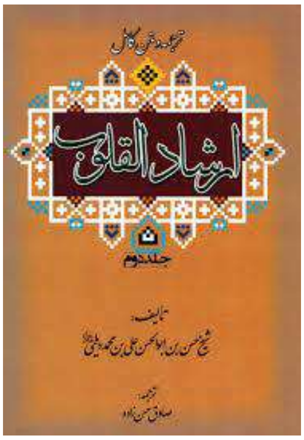

اس کے بعد کتابیں بیچنے والے ایک شخص سے مجھے ایک کتاب ملی جس کا نام "ارشاد القلوب[۸]" تھا۔ اس وقت میری عمر آٹھ یا نو سال تھی۔ میں نے اس شخص سے یہ کتاب خرید لی۔ ارشاد القلوب میں وعظ و نصیحت اور قصے ہیں جنہوں نے میری زندگی پہ گہرا اثر چھوڑا۔ میں نے اس وقت سے اسلامی کتابوں کی تلاش شروع کر دی جبکہ مجھے اسلامی لائبریریوں کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ ایک اور کتابیں بیچنے والے شخص سے ایک کتاب ملی جس کا نام "امیر المومنین کی

---

[۸] ارشاد القلوب فی الحکم والمواعظ، محمد دیلمی۔

قضاوتیں[۹]" تھا۔ یہ چھوٹی سی کتاب تھی اور میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ میں جس کتاب کا مطالعہ کرلیتا تو دوبارہ اسے اول سے شروع کر دیتا۔ مجھے علم کے حصول اور مطالعہ کا بہت شوق تھا۔

چند سال اسی طرح گزر گئے جبکہ ہمارے محلہ میں کوئی بھی دیندار فرد نہیں تھا اور میں بھی کسی عالم دین یا دیندار فرد سے آشنا نہ ہو سکا۔ ہمارے محلہ میں ایک بزرگ شخص تھے جن کی داڑھی تھی اور وہ اپنی دکان میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں اسے دیندار سمجھ کے اس کے پاس جاتا تاکہ اس کی داڑھی اور نماز پڑھنے کا طریقہ دیکھ سکوں۔ میں اسے بہت زیادہ پسند کرتا تھا۔

میرے والد سید موسیٰ صدر کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔ وہ ان کی تصاویر اپنے گھر میں لائے۔ میں کافی دیر بیٹھ کر سید موسیٰ صدر کی تصاویر کو غور سے دیکھتا رہتا۔ میں ہمیشہ کسی عالم دین، دیندار یا ہر اس فرد کی تلاش میں ہوتا تھا جس سے استفادہ کروں اور اس سے مربوط ہو جاؤں۔

میں نے دس گیارہ سال کی عمر میں پرائمری تعلیم مکمل کی۔ مڈل کی تعلیم کے لیے ایک اور جگہ پر گیا جو اس مسجد کے قریب تھی جہاں سید فضل اللہ نماز پڑھاتے تھے۔ وہاں مومن جوانوں کے ایک گروہ سے آشنائی ہوئی اور میں نے مسجد میں آنا جانا شروع کر دیا۔ مجھے خدا کی یہ توفیق نصیب ہوئی کہ دس سال کی عمر سے پہلے اپنی توانائیوں اور مختصر معلومات کی بدولت میں نے

[۹] قضاوت ہای امیر المومنین، علامہ شیخ محمد تقی شوشتری۔

اپنا راستہ تلاش کر لیا۔ نماز تہجد باقاعدگی سے پڑھتا تھا۔ جب سے مسئول بنا ہوں تو معنویت میں کمی آگئی ہے [مزاح میں مسکراتے ہوئے] ان دنوں جب قرآن کی تلاوت کرتا یا نماز پڑھتا تو بہت توجہ اور حضور قلب ہوتا تھا۔ اس وقت میرا دل اور روح پاکیزہ تھی اور اس دنیا سے وابستہ اور اس میں گرفتار نہیں ہوا تھا۔

پہلی تقریر:

جب اپنے گاؤں بازوریہ میں پہلی دفعہ منبر پر گیا تو میری عمر چودہ سال تھی۔ ہمارے گاؤں میں ایک عالم دین تھے جن کا نام علی شمس الدین [۱۰] تھا۔ وہ تقریر کرنا نہیں جانتے تھے لیکن

انہوں نے نظری طور پر مجھے تقریر کرنا سکھائی اور بہت زیادہ تشویق کی۔ یہ شیخ خود دیندار اور اچھے انسان تھے۔ لبنان میں جو بھی فوت ہو جائے تو اس کے لیے سات دن مجالس برپا ہوتی ہیں۔ ان مجالس میں مرثیہ پڑھنے کے بعد ایک شخص تقریر کرتا ہے۔ علی شمس الدین نے مجھے شوق دلایا اور کہا کہ "تم منبر پہ جاؤ اور تقریر کرو"۔

انہوں نے کہا کہ "تقریر کے دوران لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ دیکھیں۔ صرف ان کے بالوں اور سروں کے اوپر نگاہ کریں تاکہ اضطراب کا شکار نہ ہو جائیں۔ اگر آپ ان کی آنکھوں اور چہروں پہ نگاہ کریں تو ممکن ہے آپ کے اندر اضطراب والی کیفیت پیدا ہو

---

[۱۰] حجۃ الاسلام شیخ محمد مہدی شمس الدین حوزہ علمیہ کے استاد اور لبنان کے شیعہ عالم دین ہیں۔

جائے"۔ میں نے پہلی تقریر کاغذ پر لکھی ہوئی تھی جو میں نے سات منٹ میں ختم کی۔ اس تقریر نے سامعین کو داد دینے پر ابھارا اور انہوں نے میری تعریف کی۔ کسی نے بھی تنقید یا اعتراض نہ کیا۔ میں نے دوسری تقریر اس کے ایک ہفتہ بعد کی۔ اس دفعہ کھڑے ہو کر تقریباً بیس منٹ زبانی گفتگو کی۔ چونکہ ہمارے محلہ میں کوئی بھی فرد فرہنگی نہیں تھا اور اسلامی سطح کے لحاظ سے بوڑھے افراد تھے جو صرف معاشرتی اور تقلیدی لحاظ سے مذہبی تھے۔ ان تقاریر میں انہوں نے مجھے داد دی۔ اس کے بعد جب بھی کسی گاؤں میں کوئی فوت ہو جاتا تو اپنی کمسنی کے باوجود میں منبر پہ جا کر تقریر کرتا۔ یہ بات دوسرے دیہاتوں تک بھی پھیل گئی اور میں ان علاقوں میں بھی جا کر تقریر کرتا۔ یہ سب کچھ میرے نجف جانے اور طالب علم بننے سے پہلے کے واقعات ہیں۔ اس کے بعد جب جنرل سیکرٹری بنا تو دوسری بار کاغذ سے دیکھ کر تقریر کی۔

طالب علم بننے کا شوق:

طالب علم بننے کی میری آرزو اس وقت پوری ہوئی جب میں سید محمد غروی[11] سے آشنا ہوا۔ وہ اصالتاً ایرانی تھے۔ انہوں نے نجف میں زندگی گزاری اور شہید سید محمد باقر صدر[12] کے شاگرد تھے۔ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں صور شہر کی طرف آنے جانے میں ان سے آشنائی

---

[11] شہید آیت اللہ سید محمد باقر صدر کے ایرانی شاگرد۔

[12] ۔ ضمیمہ ٦۔

ہوئی اور انہوں نے مجھے شوق اور رغبت دلائی۔ میں حوزہ علمیہ نجف میں جانے کی کوشش میں تھا۔ میں کسی ایسے فرد کی تلاش میں تھا جو مجھے نجف بھیجے اور میں معرفت وشناخت حاصل کر سکوں۔ میں اس مرحلہ کو الہٰی توفیقات میں سے شمار کر سکتا ہوں۔ چونکہ میں بعض علماء سے آشنا ہوا اور انہوں نے کہا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ نجف لے جائیں گے لیکن بہت زیادہ کوشش

کے باوجود ہر بار شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کبھی پاسپورٹ کی مشکل تو کبھی مالی مسائل کا سامنا یا دوسرے مسائل کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا یہاں تک کہ سید غروی کے وسیلہ سے نجف گیا۔ بعد میں یہ واضح ہوا کہ اگر اس سے پہلے نجف جانے کے امکانات فراہم ہو جاتے اور میں نوجوانی میں ان مشائخ کے وسیلہ سے نجف جاتا تو وہاں پر ان کے دوستوں [جو بعثی حکومت کے حامی تھے] کے ہاتھوں پھنس جاتا اور ممکن تھا کہ وہ مجھے گمراہی کی طرف لے جائیں۔ خداوند متعال نے یہ سب راستے میرے لیے بند کر دیے اور جانے کی اجازت نہ دی۔ سب سے زیادہ مناسب راستہ سید محمد غروی والا تھا اور انہوں نے مجھے شہید صدر، آیت اللہ سید محمود ہاشمی [۱۳] اور سید محمد باقر حکیم کے نام خطوط دے کر نجف بھیج دیا۔ میرے والدین اس بات سے راضی نہیں تھے کہ میں حوزہ علمیہ میں جاؤں۔ میری والدہ کی علماء کے بارے میں مثبت رائے نہ تھی۔ اس دن تک مجھے اپنے نانا کے بارے میں معلوم نہیں

---

[۱۳] آیت اللہ سید محمد باقر صدر کے ممتاز اور ہونہار شاگردوں میں سے تھے۔

تھا کہ وہ بھی عالم دین تھے اور بعد میں انہوں نے علماء کے اس لباس کو اتار دیا تھا۔ البتہ یہ کام کسی خاص ارادے، سیاسی نظریا کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ خاندانی مسائل کی وجہ سے تھا۔ میری والدہ کہتی تھیں کہ "اگر تم نجف جاؤ تو فقیروں میں ایک فرد کا اضافہ ہو جائے گا" لبنان میں علماء کو گدا اور فقیر سمجھا جاتا تھا۔ ان کے گمان میں عالم وہ ہوتا ہے جو لوگوں کے دیے ہوئے پر زندگی گزارے۔

میں والدین کو راضی کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور وہ می رے طالب علم بننے پر راضی نہ ہوئے۔ میں نے اس کام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک منصوبہ بنایا۔ میں نے ان سے کہا کہ "لبنان میں کوئی مناسب شغل اور کام نہیں ہے نیز صورتحال بھی اچھی نہیں ہے۔ اگر میں یہاں پر رہوں تو حزب امل مجھے جنگ کے لیے لے جائے گی لیکن اگر نجف چلا جاؤں تو وہاں کالج میں پڑھوں گا اور اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کروں گا۔ کالج کی تعلیم کے بعد بغداد یونیورسٹی میں داخلہ لوں گا اور وہاں سے پی ایچ ڈی کروں گا"۔ اس بات کی وجہ سے میرے والدین نے عراق جانے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا لیکن جب نجف پہنچا تو اصلا کالج میں داخلہ لینے کی بات نہ سوچی۔ چند دن کے بعد سر پر عمامہ رکھ لیا اور عمامے والی تصویر اپنے گھر والوں کے لیے بھیجی۔ اس بات کا مطلب یہ تھا کہ میں اب طالب علم بن گیا ہوں اور اب کام تمام ہو چکا ہے۔